یہ کتاب مجھے میرے تایا مجاہد ختم نبوت غازی
عبید الرحمن لدھیانوی نے ایک سال پہلے دی تھی
از مفتی صمدام حسین لدھیانوی
۲۰۲۳/۶/۲۴

یہ فسادات نہیں ہیں
— بلکہ —
ہندو احیاء دین اور ہندو راشٹریہ
بنانے کی

○ ایک تحریک ہے
○ ایک عقیدہ ہے
○ ایک پروگرام ہے

ازقلم:-
عزیز الرحمن جامعی۔ لدھیانوی
ابن
رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی
قیمت ایک روپیہ

یہ فسادات نہیں ہیں
— بلکہ —
ہندو احیاء دین اور ہندو راشٹر
بنانے کی

○ ایک تحریک ہے
○ ایک عقیدہ ہے
○ ایک پروگرام ہے

ازقلم:-
عزیز الرحمن جامعی۔ لدھیانوی

ابن
رئیس الاحرار حضرت مولانا
حبیب الرحمن لدھیانوی رح

تفصیل اشاعت

باراول	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	۱۵ر جنوری ۱۹۶۸ء
مقام اشاعت	(۵۲۹۶) کوچہ رحمٰن چاندنی چوک دھلی
طباعت	الجمعیۃ پریس ۔ رود گران ۔ دہلی
قیمت	ایک روپیہ

کتابچہ "یہ فسادات نہیں ہیں" الجمعیۃ پریس دہلی میں طبع کراکے
بلال احمد نے شائع کیا

اس کتابچہ کے تمام مضامین اخبار "ملک وملت" میں "فسادات تحقیق شدہ ہیں" کے عنوان سے دس قسطوں میں اکتوبر سنہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

(بلال احمد)

مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے صاحبزادے تھے۔

انتساب

اُن

تمام مسلمان شہیدوں کے نام جو فسادات میں شہید ہوئے

اور

ان تمام ہندوستانیوں کے نام

جو

ملک کی بھلائی اور بہبودی چاہتے ہیں

ایک غم زدہ ہندوستانی —— عزیز الرحمٰن جامعی۔ لدھیانوی

۱۵ر جنوری ۱۹۶۸ء

تعارف

ہندوستان کو خوش حال فلاحی اسٹیٹ بنانے کے سلسلہ میں ہندوستان کا آئین حکومت کا بہترین مددگار ہے۔ ہندوستان کے آئین کے صفحۂ اول پر موٹے حروف میں اس حق کا اعلان کیا گیا ہے۔ کہ:۔

"ہندوستان کے ہر شہری کے حقوق برابر کے ہیں۔ کسی شہری کو کسی شہری پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ کاروبار، لین دین، نقل وحرکت میں، ہندوستان کا ہر شہری ہندوستان میں جہاں چاہے تجارت کر سکتا ہے۔ اور جہاں چاہے جائداد خرید سکتا ہے۔ ملک کے جس خطے میں چاہے رہائش اختیار کر سکتا ہے۔

ہندوستان میں ہر شخص کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی پوری آزادی ہے۔ حکومت پر نکتہ چینی اور خیالات کا اظہار ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔"

ہندوستان کے آئین میں دیئے گئے اِن حقوق کا معنوی اور عملی درجہ روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے فسادات میں اکثریت نے ان حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ ہر جگہ اقلیت پر تشدد، سفاکی اور بے رحمی نے مسلمانوں کو انتہائی دل برداشتہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان باوجود چھ کروڑ ہونے کے جان و مال کے تحفظ کے بارے میں غیر مطمئن ہیں۔ اتنی بڑی اقلیت کا شک و اضطراب میں زندگی بسر کرنا.....

ہندوستان کے لئے نہ صرف بدنامی کا باعث ہے۔ بلکہ اس سے ہندوستان کی بین الاقوامی سیاست بُری طرح مجروح ہو رہی ہے۔ ہندوستان سے باہر ہندوستان کے نمائندوں کی باتوں کو فریب و تعلّی اور ملمع سازی سمجھ کر مذاق اڑایا جاتا ہے۔

مسٹر مورلیسن نے بیرونی ممالک کا دورہ کرکے جو بیان دیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فرقہ وارانہ فسادات نے ہندوستان کی حیثیت کو دنیا میں گرا دیا ہے۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے فرقہ وارانہ فسادات پر بیان دیتے ہوئے پارلیمنٹ میں فرمایا ہے۔ کہ:۔

"ہندوستان کے شہری حقوق کے مطابق اگر ایک شہری کو خواہ وہ کسی بھی ذات، مذہب یا گروپ سے تعلق رکھتا ہو، خطرہ ہو تو وہ خطرہ ہم سب کے لئے خطرہ ہے۔ ہندوستان میں ہر ایک مرد، عورت اور بچے کو بلا خوف و خطر ہندوستان کی زمین پر چلنے پھرنے کا حق حاصل ہے۔ اور ہندوستان کے ہر شہری کو آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

انھوں نے کہا "کہ فرقہ وارانہ فسادات سے اس ایوان کو اور ہندوستان کے ہر جمہوریت پسند انسان کو تکلیف پہنچی ہے۔ ان فسادات سے دوسرے ملکوں کے سامنے ہمارا سر ندامت سے جھک جاتا ہے"

اندرا گاندھی

(وزیر اعظم ہندوستان)

فسادات

تن ہمہ داغ دار شد، پنبہ کجا کجا نہم

دنیا میں، تاریخ کے ہر دور میں اچھے اور سچے آدمیوں کی کمی نہیں رہی ہے۔ معاشرے کے صحت مند افراد نے ملکوں اور قوموں میں انصاف، رواداری، ہمدردی محبت واتحاد پیدا کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ اگر یہ سچے اور اچھے لوگ اور معاشرے کے اشراف قربانیاں دے کر انسانیت کا نام اونچا نہ کرتے تو یہ دنیا آج کی منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی مٹ گئی ہوتی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سچے اور اچھے انسان بھی دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہوتا ہے جو برائی کو برائی کہتا ہے۔ اور کسی بھی برائی پر کسی وقت بھی متفق نہیں ہوتا۔ لیکن جبلی طور پر اس گروہ میں اعصابی کمزوری ہوتی ہے۔ یہ لوگ برائی کو ختم کرنے کے لئے قربانی نہیں دے سکتے۔ تشدد کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ جان دے کر نیکی کے اقدار کو زندۂ جاوید بنانے کی ہمت اُن میں نہیں ہوتی۔ یہ سچے اور اچھے لوگ برائی اور تشدد کے سامنے ہتھیار رکھ دیتے ہیں۔ آج ہندوستان میں اچھے اور سچے لوگ خاصی تعداد میں ہونے کے باوجود ظلم وجبر، سفاکی، بے رحمی، بربریت کو نہیں روک سکتے۔ اُن کا

مسلم ہمسایہ زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہو، ہمسایہ کے بچوں کے اعصاب کاٹے جا رہے ہوں۔ عورتوں کی عصمت دری کی جا رہی ہو۔ اور مردوں کو مکانوں میں بند کر کے آگ لگا دی گئی ہو۔ یہ سچے لوگ گھروں کے دروازے بند کر کے ادھم ادھم چیخنے لگتے ہیں۔ گویا برائی میں شامل نہ ہو کر ان لوگوں نے "ادھم" کے سامنے اپنے کو معصوم ثابت کر دیا ہے۔

اس کے برعکس معاشرے اور سماج میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے ہیں جو شرافت کے ساتھ بہادر بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کسی ظلم اور کسی جبر کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ اپنی جان دے دیتے ہیں لیکن ظلم و جبر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتے۔ ۱۹۴۷ء اور اس کے بعد ہندوستان میں ایسے بہادر ناپید ہو گئے ہیں۔ ہندوستان کے بہادروں اور شریفوں کے سامنے سوال ہے۔ "ہندو فسطائی حکومت" قائم کرنے کا۔ ہندوستان کے بہادروں اور شریفوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود مٹا دیں گے۔ غنڈوں کے سامنے کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ ڈاکوؤں اور انفرادی قاتلوں کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ وہ پوری کی پوری قوم کو ختم کر دیں۔ انفرادی قتل اور ڈاکہ ذاتی منفعت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود معاشرہ اور حکومت ان کو پوری سزا دیتی ہے۔

ہندوستان میں فسادات ایک نظریہ اور خاص مقصد کے تحت برپا کئے جا رہے ہیں۔ جو لوگ فسادات کرا رہے ہیں۔ یا فسادات کو منظم کر رہے ہیں۔ یہ ہندو فرقہ پرستوں کے اشراف ہیں۔ بقول جے پرکاش کے "ان کے دلوں میں گہرا زخم ہے پاکستان کے بن جانے کا"۔ فسطائی ذہنیت رکھنے والے "اشراف" ہندوؤں کے سامنے زندگی کا بڑا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں

کو ہر طرح سے تنگ کیا جائے۔ جس کے نتیجہ میں وہ یا تو مرتد ہو جائیں، یا پاکستان چلے جائیں۔ یہ "اشراف" کون ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ صرف جن سنگھ میں ہیں، غلط ہے۔ اگر یہ اشراف صرف جن سنگھ میں ہوتے تو آج تک یہ فسادات ختم ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ جن سنگھ اقلیت میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو "اشراف" ہندوستان میں جمہوری حکومت کی بجائے "مکمل ہندو راشٹر" دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر دیہاتی، قصباتی، اضلاعی، صوبائی اور مرکزی کانگریس کمیٹیوں میں بھی موجود ہیں۔ اور دیہاتی مکھیوں، پنچوں سے لے کر صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے سکریٹریوں اور وزراء تک میں موجود ہیں۔ کانگریس کے علاوہ ہندوستان کی ان تمام سیاسی جماعتوں میں یہ "اشراف" موجود ہیں۔ جن کے ممبران کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ ان سب جماعتوں میں وہ "اشراف" موجود ہیں۔ جو ہندوستان کو مسلمانوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمان اخبارات اور مسلم جماعتیں جن سنگھ پر خلاف الزام لگاتی ہیں۔ اور ہندوستان کی دوسری جماعتیں بھی جن سنگھ کو موردِ الزام قرار دے کر سبکدوش ہو جاتی ہیں۔ اور مسلمان بھی ایک گونہ اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا بھی کوئی نام لیوا اور ہمدرد موجود ہے۔ یہ ایک غلط تجزیہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ۹۰ فی صدی ہندو "اشراف" کو کھٹکتا ہے۔ جو لوگ فسادات میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا انفرادی طور پر مطالعہ کیجئے۔ یہ ہندو معاشرے کے بہترین دوست ہیں۔ ہندو اکثریت کے لئے اسکول کھول رہے ہیں۔ ہسپتال بنوا رہے ہیں۔ نوجوان رضاکاروں کی جماعتوں کو منظم کر رہے ہیں۔

دیہات میں کنویں کھدواتے ہیں۔ غرضکہ معاشرے کی جو خدمات بھی کی جا سکتی ہیں۔ یہ لوگ وہ تمام خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان سب خوبیوں کے باوجود وہ مسلمانوں کے بارے میں انتہائی جابر اور ظالم ہیں۔ ہندو جن سنگھی رضا کار مسلمان بستیوں کو اُجاڑ کر جب گھروں کو واپس جاتے ہیں تو وہ ہندو معاشرے میں ہندو ویر ہی نہیں بلکہ مہاویر کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جس ہندو ویر نے جتنا زیادہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا ہو وہی ویر ہندو قوم کا ہیرو مانا جاتا ہے۔ پولیس بھی ایسے بہادروں اور ویروں پر ناز کرتی ہے۔ سرکاری آفیسر بہادر ویروں کے گھروں پر مبارکباد دینے جاتے ہیں۔ کہ انھوں نے ہندوستان کو ہندو راشٹریہ بنانے کے لئے جس بہادری کا ثبوت دیا ہے اس پر آنے والی ہندو نسلیں فخر کریں گی۔ ہندو اکثریت کے اس مشترکہ مقصد کو ایک نیک دل ہندو رام سرن نگینہ کی زبانی سُنیئے:-

"ہندو کا ہے ہندوستان، بھاڑ میں جائے مسلمان۔ مسلمان ہندوستان سے چلے جائیں۔ بھارت کی پاک اور صاف دھرتی پر ان کے منحوس قدموں کی دھول بھی رہنے نہ پائے۔ ہندوستان کے پاک جسم سے مسلمانوں کا داغ دور کرنا ہے۔ مسلمانوں کا نام حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹانا ہے۔ مسلمان آستین کا سانپ ہیں۔ یہ پرماتما کو خدا کہہ کر پکارتا ہے۔ ہری ہر مہادیو کی جگہ اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرتا ہے۔ یہ کم بخت نہیں جانتا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ یہ خیالات میرے نہیں۔ اُن مہاپرشوں کے ہیں جو امن اور خوش حالی کی فضا میں آگ لگاتے ہیں۔ اور اس کو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ ان مہاپرشوں کے نزدیک ہندو دھرم، ہندو سنسکرتی، ہندو معاشرت اور ہندو خیالات سب سے

زیادہ مقدس ہیں۔ یہ مہاپرش اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ ہندو، ہندی، ہندوستان ہی ایک مقصد ہے۔ جس پر ساری ہندو قوم متفق ہے۔"

جناب رام سرن نگینہ سرحدی کے ان ارشادات اور انکشافات کو سامنے رکھ کر سوچیے کہ فسادات میں قومی یکجہتی یا لیڈروں کی کانفرنسیں کیا کام کر سکتی ہیں۔ لیڈر صرف اس لئے بیانات دیتے ہیں۔ کہ بین الاقوامی بدنامی سے ہندوستان کو بچایا جائے۔ حکومت محض اس لیئے بیان دیتی ہے کہ وہ بیان دے کر اپنا فرض پورا کر دے۔ ہندو اکثریت کے اثرات کے ساتھ کون لڑائی مول لے۔؟ اور کیوں لڑائی مول لے؟ جب ۹۰ فی صدی اکثریت کا ایک ہی عقیدہ ہے، ایک ہی پروگرام ہے، اور ایک ہی مقصد ہے۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کو "بھیڑ دھسہ" کی تادیل سے نکل کر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ مسلمان باوجود اس قتل و غارت گری کے اپنے اخلاق، اپنے کردار، اپنی جدوجہد اور اللہ کے سہارے زندہ رہنے کا عہد کرے۔ کیونکہ یہ ملک مسلمانوں کا بھی ہے۔ اس ملک میں مسلمانوں نے اپنا خون دے کر تہذیب و تمدن اور معاشرت کو زندگی بخشی ہے۔ اور اس ملک کو آزادی مسلمانوں کی قربانیوں سے ملی ہے۔

جہاں تک فسادات کی تحقیقات کا سوال ہے ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ فسادات ایک نظریہ اور ایک عقیدہ کی بنا پر کرائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ اِن فسادات میں شریک ہوتے ہیں وہ ہندوستان کی فلاحی ریاست کے صحت مند سیاسی افراد ہیں۔ جو لوگ ریاست کے "اشراف" ہوں اور جبلّی طور پر بھی شریف ہوں اور سماج میں بھی شریف کہلاتے ہوں۔ جب یہ سب لوگ فسادات میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ فسادات کو منظم کرتے

ہیں۔ تو آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا تحقیقات کریں گے کیسی ریاست میں "فردِ کامل" تعلیمی اداروں سے بن کر نکلتے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر، اسکول ٹیچر، انجنیر، صنعت کار، فلاسفر، مدبر، سیاست داں، سپاہی اور سائنس داں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان سب افراد کا اتفاق اس بات پر ہو جائے کہ ملک سے ایک ایسی اقلیت کو ختم کیا جائے جو ایک ہزار برس پہلے اپنے تہذیبی، تعلیمی اور تبلیغی افادات کے ساتھ اس ملک میں آئی تھی۔ اور جس اقلیت یا قوم نے ہندوستان کے تہذیبی اور تمدنی رابطوں کو صحت مند زندگی بخشی اور ہندوستان کو اپنا وطن بنایا۔ اور وطن کی حفاظت کے لئے قربانیاں دیں۔ تو اس سلسلہ میں تحقیقات کیا کام آئیں گی۔ اور ملک کے مختلف خطوں میں وفود روانہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔

کانگریس ۲۲ سال سے ملک کی برسر اقتدار جماعت ہے۔ کانگریس میں دایاں اور بایاں بازو بھی ہے۔ کانگریس کا ایک حصہ رجعت پسند کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے حصہ کو ترقی پسند۔ ترقی پسند گروپ میں چندر شیکر ہیں۔ کامراج، کے۔ ڈی مالویہ ہیں۔ اور بھی لوگ ہیں۔ ان میں سے کچھ وزیر ہیں۔ اور کچھ وزیر رہ چکے ہیں۔ کانگریس کے ترقی پذیر گروپ کے کارکن خواہ دیہات میں ہوں یا شہروں میں، صوبائی لیڈر ہوں یا مرکزی، ان میں سے کسی نے آج تک مسلمانوں کو بچانے کے لئے جان کی بازی نہیں لگائی۔ دہلی کی ترقی پسند لیڈر سبھدرا جوشی کا بیان ہے کہ جب میں مہاتما گاندھی کے پاس گئی۔ اور کہا کہ مسلمان بے گناہ قتل کئے جا رہے ہیں۔ اُن کو بچایئے۔ تو باپو جی نے جواب دیا۔ تم یہ کہنے مجھے آگئی ہو کہ بے گناہ مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔ تم نے فسادیوں کے سامنے کھڑے ہو کر خود کیوں جان نہ دی! مہاتما جی نے جو کہا اُس پر عمل کیا۔ آج

کتنے لوگ ہیں جو گاندھی بھگت کہلاتے ہوئے۔ اور مظلوموں کی خاطر جان دے جائیں۔

رانچی اور دوسری جگہوں پر فسادات ہوئے۔ مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ ان مسلمانوں کی مظلومیت کا رونا تو بہت نے رویا۔ جن میں کمیونسٹ بھی شامل ہیں۔ اور سوشلسٹ بھی۔ لیکن ان پارٹیوں میں سے کسی ایک پارٹی کو توفیق نہیں ہوئی کہ جس جگہ فسادات ہوئے ہیں۔ وہاں، ترقی پسند، رجعت پسندوں کے خلاف جلوس نکالتے، مرن برت رکھتے حکومت کو سزا دینے کے لئے وزارتوں سے استعفیٰ دے دیتے۔ اور قومی یک جہتی کا مورچہ لگاتے۔ تاکہ ہندوستان کی فسطائی طاقتوں کو معلوم ہو جاتا کہ ہندوستان کی ترقی پسند طاقتیں میدان میں آگئی ہیں۔ ترقی پسند طاقتوں نے ایک قدم بھی ایسا نہیں اٹھایا۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ اخبارات اٹھا کر دیکھیے۔ تو فسادات کے بارے میں بیانات پر بیانات چلے آرہے ہیں۔ یہ بیانات کیا ہیں۔ صرف ٹیبل ٹاک، حدیث مائدہ کے طور پر ہیں۔ تاکہ ان بیانوں سے منہ کا جمہوری ذائقہ بدل جائے۔

جن لوگوں نے دہلی میں کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے جلوس دیکھے ہیں۔ اور جو لوگ ان جماعتوں کی گوریلا وار، گھیراؤ ٹیکنک سے واقف ہیں۔ وہ لوگ کیا اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ کہ ہندوستان کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ گوریلے کانگریس کا اقتدار ختم کر کے خود کرسیوں پر آنا چاہتے ہیں۔ بہار کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ وزیروں کا بیان بھی دلچسپ ہے کہ ہریا سرائے اور سرسند میں فسادات جن سنگھ کے وزیر کی زیرِ نگرانی ہوئے ہیں۔ اس بات کو جانتے ہوئے بھی یہ لوگ وزارت کی کرسیوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ہندوستان

میں کمیونزم اور سوشلزم آیا تو ہے لیکن ہندوستان کے کمیونزم کے خول کے اندر بیٹھا ہوا پائلٹ ابھی تک فرقہ پرست ہے۔ ہندوستان کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیوں کا جن سنگھ سے اشتراک اس بات کی دلیل ہے۔ کہ "ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد"۔ وزارتوں کے اقتدار نے مساویانہ نظریئے اور عقیدے ختم کر دیئے ہیں۔ ترقی پسند پارٹیوں کے لیڈر گفتار کے غازی ہیں۔ ان پارٹیوں کو اس سے غرض نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لئے جان کی بازی لگا دی جائے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ لوگ ملک کے صحت مند "سماجی افراد" سے لڑائی نہیں لڑ سکتے۔ کیونکہ اکثریت کے ان ہی "صحت مند افراد" اور اکثریت کے عوام سے ان جماعتوں کو ووٹ لینا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں ۲۲ کروڑ ووٹر ہیں۔ ۲۲ میں دو کروڑ ووٹر مسلمان ہیں۔ ۵۲ کروڑ کی آبادی میں ۸ کروڑ مسلمان ہیں۔ جمہوریت میں جب ووٹوں کی گنتی سے حکومت بدلتی ہے۔ تو ہندوستان کے ترقی پسند لیڈر یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ ۲۰ کروڑ ووٹروں اور ۴۴ کروڑ آبادی کو صرف مسلمانوں کی خاطر اپنا مخالف کیوں بنائیں۔ اگر دیہاتی کسانوں اور کارخانوں کے مزدوروں کو ہندوستان کی ترقی پسند جماعتیں ناراض کر دیں۔ تو کمیونسٹ اور سوشلسٹ تحریک بھی ملک میں فیل ہو جائیگی

ہندوستان کی اکثریت کا ذہن بیس سال سے اینٹی مسلم بنایا جا رہا ہے۔ اس ذہن بنانے میں ہندوستان کی جمہوری ریاست کے قابل قدر افراد شامل ہیں۔ سرکاری افسران ہندوستان کی حکومت کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں۔ لیکن اس حکم پر کوئی سرکاری افسر بھی عمل کرنے کو تیار نہیں کہ فسادات میں مسلمانوں کو بچایا جائے۔ جس قدر بھی مسلمان شہید ہوتے ہیں۔ اُن کے اعداد و شمار پڑھ کر ہندوستان کی جمہوری ریاست کا۔

"فردِ کامل" خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ مسٹر جے پرکاش نرائن نے "قیامِ پاکستان" بتائی ہے۔

پاکستان بنانے میں بقول مسٹر حسین سابق وزیر اعلیٰ بنگال۔ اگر مسلمان مجرم ہیں۔ تو کانگریس کے لوگ اُن سے زیادہ مجرم ہیں۔ اور ہندوستان کے فرقہ پرست سب سے زیادہ قابل گردن زدنی ہیں۔ جنہوں نے پنڈت نہرو کو دس لاکھ تار ارسال کئے تھے کہ پاکستان مان لو۔ تاکہ لیگ والوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اب پاکستان کو بنے ہوئے ۲۰ سال ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں دو نسلیں بدل چکی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اکثریت کا جوش و غضب ٹھنڈا ہونے کی بجائے اور بڑھتا جا رہا ہے اور اب اس غضب کی حالت یہ ہو گئی ہے۔ کہ ہریا سرائے بسر سند اور رانچی میں ہندو ہمسایہ نے مسلمان ہمسایہ کو، ہندو دوست نے مسلمان دوست کو، ہندو طالب علم نے مسلمان طالب علم کو دھوکے سے اپنے گھر بلا کر قتل کر دیا۔ کیا ان لوگوں کا یہ اقدام معاشرے اور سماج کی بدنامی کا باعث ہے۔ ہرگز نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان لوگوں نے ۴۴ کروڑ انسانوں کے دلی ارمانوں اور تمناؤں کو پورا کیا ہے۔

رانچی کے واقعات کو سامنے رکھیئے۔ ہماری فلاحی ریاست "اشراف" اور "فردِ کامل" میڈیکل کالج کے طلبا نے ۳۰ مسلمان لڑکوں اور پانچ مسلمان لڑکیوں کو ایک میڈیکل کالج کے کانفرنس روم میں حفاظت کے نام پر جمع کر کے ان کے قتل کا بندوبست کیا۔ جب مسلمان لڑکوں کو یہ احساس ہوا کہ کانفرنس روم ہی ہماری قتل گاہ ہے۔ تو انھوں نے مدد کے لئے لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ اس میں ایک میڈیکل کلاس کے طالب علم کی جان بھی

گی۔ لیکن وزیر پولیس نے اچانک یہاں پہونچکر ان کو بچالیا۔ کیا یہ لوگ جو
ان مسلمان طلبار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ غنڈے تھے، نہیں ہرگز نہیں، یہ
لوگ اس مقدس فرض کو انجام دے رہے تھے۔ جس کے بعد ان کو امید ہے
کہ ہندوستان ایک ہندو راشٹریہ بن جائے گا۔ اسی رانچی کے گرد و پیش ہتھیار
بنانے والے کارخانوں میں جو مسلمان کام کر رہے تھے اُن کو ان ہتھیاروں
سے قتل کیا گیا۔ جو اس کارخانے کے ہندو منیجر نے ہندو کاریگروں کو تقسیم کئے
تھے۔ ان ہندو کاریگروں نے مسلمان کاریگروں اور مزدوروں کے گھروں میں
گھس گھس کر مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے دردی کے ساتھ ذبح کیا۔ کیا
حملہ آور اور قاتل عادی مجرم ہیں۔ یا ان کو انسانی خون منہ لگا ہوا ہے۔ ان
میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ یہ سب لوگ اپنے ملک اور اپنی قوم کے
لئے ایک ایسی حکومت بنانے کے لئے قتل و غارت گری کر رہے ہیں۔ جس کے
بعد صحیح معنوں میں ہندوستان آزاد ہو گا۔

ریاست کے "اشراف" میں طلبار کا درجہ بھی ہے "طلبار" کسی قوم
اور ملک کے لئے باعث فخر افراد ہوتے ہیں۔ ان کو گذشتہ ۲۰ سال سے یہ
تعلیم دی جا رہی ہے۔ کہ ہندوستان میں ہندو قوم کے سب سے بڑے دشمن
مسلمان ہیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو ایک ہزار برس تک غلام رکھا ہے۔
ہندوؤں کو مسلمانوں سے ایک ہزار برس کا بدلہ لینا ہے۔ اور اس لئے ہندو
مذہب کی احیار دین کی تحریک کا پہلا پروگرام یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہندوستان
سے خاتمہ کیا جائے۔ احیار دین کی تحریک سے متاثر ہو کر ہندو طالبعلموں
نے مسلمان طالب علموں کو دوستی کے رنگ میں گھر بلا کر قتل کر دیا۔ ان
طالب علموں کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی۔ ہندو طلبار نے جو

کچھ کیا ہے۔ اس سے ان کو خوشی و مسرت حاصل ہوئی ہے۔ ہندو طلبار
نے انقلابی اقدام کیا ہے۔ انھوں نے مسلمان طلبار سے ایک ہزار برس
کی غلامی کا بدلہ لیا ہے۔ بدلہ کی اسپرٹ کس نے پیدا کی ہے۔ اسکول اور
کالجوں کی تعلیم نے۔ رام سروپ اور محمد دین جو ایک دوسرے کے ساتھی،
ایک دوسرے کی بیاہ شادیوں میں آتے جاتے تھے، ایک دوسرے کو
تحفہ دیتے تھے یہ تعلقات آن واحد میں ختم ہو گئے۔ اور رام سروپ کو مجبوراً
نہیں بخوشی یہ کام کرنا پڑا۔ کہ اگر اس کا جگری دوست محمد دین اس کے ہاتھ
سے قتل ہو جائے تو وہ دنیا میں ہندو دھرم کی خدمت کر جائے گا۔ رام سروپ
کا فعل اپنی جگہ انقلابی فعل ہے۔ رام سروپ کو آج تک کوئی ایسی کتاب
نہیں پڑھائی گئی۔ جس میں اس کو مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں،
مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا مدنی، اشفاق خاں کا نام ملا ہو۔
رام سروپ کو تو صرف یہ پتہ ہے۔ کہ ہندوستان ہندوؤں نے آزاد کرایا ہے۔
اور ہندو ہی اس ملک کے مالک ہیں۔ جو تاریخ رام سروپ نے پڑھی ہے۔
اس میں جلیانوالے باغ کے سلسلہ میں مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے۔ قصہ خوانی
بازار میں پانچ سو شہید پٹھانوں کو وہ جانتا ہی نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی
جنگ آزادی میں دس لاکھ مسلمانوں کی قربانیوں کے متعلق رام سروپ کی
معلومات صفر ہیں۔ رام سروپ کو نہیں معلوم کہ ۵۵ ہزار علمائے ہند،
ہندوستان کی خاطر آزادی کی خاطر پھانسیوں پر لٹکا دیئے گئے۔ جب رام سروپ
کے سامنے تصویر کا ایک ہی رُخ ہے۔ تو پھر وہ اپنے جگری دوست طالبعلم
کو گھر بلا کر کیوں نہ قتل کرے یہ ایک تمثیل ہے واقعہ نہیں ہے رامو چاچا کے
بارے میں سرسنڈ میں ایک سات سالہ لڑکی نے بیان دیا کہ رامو چاچا نے

پہلے ابا کو مکان سے باہر بلایا اور ابا کو گنڈاسا مار کر قتل کر دیا۔ پھر بھیا کو بلایا اور گنڈاسا مار کر قتل کر دیا۔ پھر اماں کو بلوایا اور قتل کر دیا۔ جب میں نے کہا راموچاچا مجھکو بھی مار ڈالو تو راموچاچا بھاگ گئے۔ کیا اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ راموچاچا معاشرے اور سماج کا ناپسندیدہ فرد ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ راموچاچا تو گاؤں میں سب کا دوست تھا۔ اور گاؤں کی پنچایت میں راموچاچا سب کے لئے لڑتا اور جھگڑتا۔ آخر آج راموچاچا نے ایسا کام کیوں کیا۔ راموچاچا کو ۲۰ سال سے بتایا جا رہا تھا۔ کہ راموچاچا جب تک ہر ہندو اپنے مسلمان دوستوں اور ہمسایوں کو قتل نہیں کرے گا۔ ہندوستان میں ہندو راشٹریہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے راموچاچا کے لئے ضروری تھا کہ اس کو جب موقعہ ملے وہ اپنے ہمسایہ اور دوست مسلمان کو قتل کر دے۔ یہ راموچاچا ایک ہزار برس کے مسلم دورِ حکومت کا اپنے مسلمان ہمسایہ سے بدلہ لے رہا ہے۔

انسان غنڈہ اور قاتل نہیں۔ راموچاچا کا پیشہ قتل نہیں ہے وہ گاؤں میں کسی کے قتل پر راضی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اپنے مسلمان دوست اور ہمسایہ کے قتل کا فتویٰ ہندو دھرم کے مقتیوں نے دیا ہے۔ راموچاچا کو پنڈتوں، فرقہ پرستوں، لیڈروں، پروفیسروں، ڈاکٹروں، گاؤں کے سکول ماسٹروں، ضلع کے تھانے داروں نے راموچاچا کو بتایا تھا کہ تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ تیری مکتی اس میں ہے کہ مرنے سے پہلے مسلمان ہمسایہ کو مار کر مرنا۔ آخر اس عمر میں بھی دھرم کی خدمت نہ کی تو پھر کب کرو گے۔ راموچاچا نے اپنی مکتی کے لئے یہ فرض انجام دیا۔ اب اس کا گاؤں مسلمان چھوڑ جائیں گے۔ سارے ملک میں نہ سہی کم سے کم ایک گاؤں میں تو ہندو راشٹریہ قائم

ہو گا۔ اور راموچاچا بھی ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو گیا۔ اب جب راموچاچا مرے گا تو گاؤں والے اس کی چتا پر صندل کی لکڑیاں اور خالص گھی جلائیں گے۔ اس لئے کہ اگر راموچاچا گاؤں میں قتل کی پہل نہ کرتا تو گاؤں سے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نکالا نہیں جا سکتا تھا۔

ہندو احیاء دین کی تحریک اس لئے ہندوستان میں مقبول ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کہ ہندوستان میں جو لوگ ملک کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ وہ بیشک بڑے بڑے بندھ بنا رہے ہیں۔ نہریں جاری کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی ۸۰ کروڑ ہندو آبادی کو جگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن وہ اس بات سے غافل نہیں ہیں۔ کہ ملک میں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں سے لاکھوں میں تبدیل کرنا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں اپنی جگہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اس طرح بنی رہتی ہے تو ہندو جمہوریہ کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ ہندو اکثریت کے گھر گھر میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ بچے بوڑھے جوان عورتیں مرد سب ہی اس بات سے متاثر ہیں۔ جب ہندو معاشرے کے سامنے علمی طور پر یہ سوال پیش کیا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں مسلمانوں کی اس وقت ۴۳ سلطنتیں ہیں۔ ان سلطنتوں میں مسلمان آباد ہیں۔ تو پھر کیوں نہ ایک ایسی سلطنت ہندوستان میں بنائی جائے جس میں صرف ہندو ہی آباد ہوں۔ اس کا جواب ہندوستان کے سیکولر ذہن کے پاس نہیں ہے۔ ہندو اکثریت کے گھریلو سماجی اور تہذیبی جلسوں میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں تو ان جلسوں میں بہت سے مختلف مکتب خیال کے لوگ جمع ہوتے ہیں تو سب لوگ اس بات پر متفق ہوتے ہیں۔ کہ ہندوستان کو ہندو راشٹر تب ہی بنایا جا سکتا جب مسلمانوں کا قصہ پاک کر دیا جائے۔

ہندو احیائے دین کی اگر تفصیلات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ فلاحی ریاست کے ایسے افراد بھی اس میں شامل ہیں۔ جو میدانِ جنگ میں بھی زخمیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی جماعت دنیا میں نہایت معزز جماعت ہے۔ بلا اختلاف دنیا کے سب لوگوں کو ڈاکٹر پر اعتماد ہے۔ بیمار یہ نہیں دیکھتا کہ ڈاکٹر ہندو ہے یا مسلمان، سکھ ہے۔ یا عیسائی؛ وہ شفایابی کے لئے صرف ڈاکٹر کا نام جانتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر بھی مریضوں کا علاج کرتے وقت مریض سے اس کا مذہب نہیں پوچھتا۔ ڈاکٹر کی مریض سے صرف یہ دلچسپی ہوتی ہے۔ کہ وہ شفایاب ہو جائے۔ لیکن فرقہ وارانہ فسادات نے ہندوستان میں اس روایت کو بھی بدل دیا ہے۔ رانچی میں جو مسلمان زخمی ہوئے۔ جب ان لوگوں کو ہسپتالوں میں داخل کیا گیا۔ تو ڈاکٹروں اور نرسوں نے نہ ان کی طرف توجہ کی، نہ ان کی مرہم پٹی ہوئی، نہ اُن کے ٹانکے لگائے گئے۔ اس کی وجہ " ہندو احیائے دین " کا وہی جذبہ ہے جو ہر ایسے کام کو پوتر اور پاکیزہ بناتا ہے۔ جو ہندو راشٹر کے قیام اور احیائے دین کے لئے کیا گیا ہو۔ کلکتہ میں گذشتہ فسادات کے دوران ایک ہندو ڈاکٹر نے تین مسلمان مریضوں کو دوا کے بدلے زہر دیدیا۔ اور وہ تینوں مسلمان جاں بحق ہو گئے۔ اخبار میں خبر آگئی اور قصہ ختم ہو گیا۔

ان واقعات پر ملک کے ڈاکٹروں کی کسی انجمن نے احتجاج نہیں کیا۔ اخبارات میں خبریں آتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ ڈاکٹر ہندوستان کی فلاحی ریاست کے ناپسندیدہ اشخاص ہیں۔ نہیں یہ نہایت معزز شہری ہیں۔ آپ ان ڈاکٹروں کی شب و روزہ زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ یہ لوگ بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ ہندو مریضوں کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آتے

ہیں۔ غریب ہندو مریضوں کو بیش قیمت ادویات مفت دیدیتے ہیں۔ اور بجا طور پر ہندوستان کے فلاحی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ ہندوستان کے معاشرے اور سماج کے لئے قابل تقلید مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو نہ تو غنڈہ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی قاتل، یہ لوگ غنڈہ گردی اور قتل کو دل سے بُرا سمجھتے ہیں۔ لیکن ہندو احیائے دین اور ہندو جمہوری راشٹریہ کے لئے کسی بھی قتل کو کسی بھی بربادی کو جائز اور حق خیال کرتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر سیاسی جماعتوں کے ممبر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کو جماعتی سیاست سے کوئی تعلق ہے۔ لیکن ان لوگوں کے دل میں جب ہندو احیائے دین اور ہندو راشٹریہ کا خیال کروٹیں لینے لگتا ہے تو یہ لوگ اعصابی اور روحانی اور ذہنی طور پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مٹانے میں حصہ لیں۔

عام سماجی زندگی میں ہندو احیائے دین اور ہندو راشٹریہ کا خیال گذشتہ بیس برس کے مقابلہ میں آج زیادہ مضبوط ہے۔ ہندو معاشرے کے صحت مند افراد اشرات کا یہ حال ہے کہ دہلی میں ایک مسلمان خاتون اپنے کنبہ کے ساتھ ایک ہندو گھرانے میں شادی کے موقع پر گئی۔ تو ان کو عجیب صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ہندو خاندان سے مسلمان خاتون کے خاندان کے گذشتہ ۲۰ سال سے تعلقات تھے۔ آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا، لینا دینا، غرضکہ سماجی زندگی کی جتنی بھی تقریبات ہوتی ہیں، ان میں سب لوگ شامل ہوتے تھے۔ جب اس ہندو گھرانے میں تمام عورتیں آگئیں تو اس خاندان کی سربراہ عورت نے برملا کہا " افسوس ہندوستانی ہندو اور حکومت اب تک مسلمانوں کو ملک سے نہیں نکال سکی "

یہ بات سنتے ہی مسلمان خاتون اور اس کے کنبہ کو پسینہ آگیا۔ آخر شادی کے موقع پر اس بات کے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے اندازہ لگایئے۔ کہ وہ لوگ جو بیس برس پہلے اس مزاج کے نہ تھے۔ وہ بھی بیس برس بعد دھرم یدھ کے لئے تیار ہیں۔ اور بوڑھی عورتوں میں یہ جذبہ جاگ اٹھا ہے۔

اسی طرح دہلی میں ایک پرانی وضع کے مسلمان بزرگ کے بہت سے ہندو دوست ہیں۔ جو کہ گذشتہ تیس برس سے ایک ہی دسترخوان پر کھاتے چلے آرہے ہیں۔ ہند و پاکستان کی جنگ میں اپنے مسلمان دوست سے یہ ہندو دوست فرمانے لگے۔ کل کو لاہور فتح ہو جائے گا۔ تو ہندوستان کے مسلمان ہمارے قیدی ہو جائیں گے۔ اور پاکستان کے مسلمانوں کو ہم غلام بنالیں گے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ رسالدار عبدالحمید ہندوستان کے لئے جان کی بازی لگا رہا تھا۔ اور ایک مسلمان کا ہندو دوست ہندوستان کے مسلمانوں کو غلام بنا رہا تھا۔ یہ ہندو دوست کوئی معمولی انسان نہیں، اعلیٰ درجے کا شریف، وضع دار اور سماجی اعتبار سے پورے ہندو سماج کی نمائندگی کرنے والا۔ لیکن وہ اپنے جذبات کو ظاہر کرنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اس کی روح ہندو راشٹر یہ دیکھنے کے لئے مضطرب تھی۔ اور ہندو احیار دین کی ایک یہی صورت اس کے سامنے ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں قیدی ہو کر رہیں۔

اس صورت حال پر ہندوستان میں کس کس کو مطعون کیا جائے گا۔ یہ حالات اس بات کی غمازی نہیں کرتے ہیں کہ سیاسی جماعتیں اس انقلابی طوفان کو روک لیں گی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد درسگاہوں اور تعلیمی اداروں میں جو بیج بوئے گئے تھے اس کے پھل آرہے ہیں۔ کسی بھی

ہندو نونہال نوجوان، اور بوڑھے آدمی کے سامنے مسلمانوں کی صاف ستھری تصویر نہیں ہے۔ ہندوستان میں ابتدائی اور ثانوی ایک کروڑ ہندو تعلیم گاہیں ہیں۔ ان میں آپ کو ہندوستان کے رہنماؤں کی تصاویر میں کسی مسلمان رہنما کی تصویر نہیں ملے گی۔ یہی حال ہندوستان کی سوشل جماعتوں کے دفتروں کا ہے۔ یہی حال ہندو تجارتی اداروں اور دوکانوں کا ہے۔ جب ہندو سماج اور معاشرے میں، زندگی کے کسی شعبہ میں مسلمانوں کے بارے میں بتلایا ہی نہیں جاتا، کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہے یا مسلمانوں نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی نوک پلک سنوارنے میں حصہ لیا ہے۔ تو پھر ہر فساد کے بعد ان لوگوں پر گلہ کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ سیاسی جماعتیں صرف اپنی مقصد برآری کے لئے بیان بازی کرتی ہیں۔ ہندوستان کی جمہوری سیاسی پارٹیوں میں سے ایک نے بھی فسادات کی بنیاد کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی جنگ آزادی کی تحریک پر ایک کتاب بھی ہندی میں حکومت یا کسی جماعت کی طرف سے شائع نہیں کی گئی۔ جو لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کی جاتی۔ اور ہندو سماج ٹھنڈے دل و دماغ سے اس طرف متوجہ ہوتا۔ نشر و اشاعت کے جتنے بھی ذرائع ہیں۔ ان سے مسلمانوں کے خلاف کام لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو جابر اور ظالم قرار دینے کی تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ ہندو احیار دین کی کامیابی صرف مسلمانوں کے ختم کرنے پر بیان کی جاتی ہے۔ پھر فسادات پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ فسادات میں شریک ہونے والے افراد نہ تو قصور وار ہیں اور نہ ہی مجرم ہیں۔ اور نہ ہی ملزم ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے فسادات میں شرکت کسی ذاتی منفعت

کے لئے نہیں کی ہے۔ سب لوگ ایک انقلابی تحریک کے رضاکار ہیں۔ رکن ہیں، مفکر ہیں۔ مدبر ہیں۔ سیاست داں ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک مسلمانوں کے مسئلہ کا ایک ہی حل ہے کہ مسلمانوں کو یا تو قتل کر دیا جائے یا ملک سے نکال دیا جائے۔

"ہندو احیاءِ دین" اور "ہندو راشٹریہ" یا "ہند جمہوریہ" کے قیام کے سلسلہ میں ہندوستان کے سیکولر رہنماؤں کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کو قومی دھارے میں شریک ہو جانا چاہیئے۔ ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء کے شروع میں یہی بات اندرا جی نے گوا میں فرمائی تھی۔ قومی دھارے میں شریک ہونے کا نام سنکر مسلمان بھی چونک اُٹھتے ہیں اور خیال کرنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں قومی دھارے سے کیا مراد ہے۔ قومی دھارے کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی رابطے مشترک ہوں۔ تہذیبی رابطوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ہندو مسلمانوں کے درمیان مشترک ہیں۔ ہندی زون میں رہنے والے تمام مسلمان۔ بہار، یو۔پی، مدھیہ پردیش میں لانگر ڈکی ہوئی دھوتی پہنتے ہیں۔ ایک ہی رنگ کے کپڑے ہوتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان کے لباس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ شادی بیاہ میں جو رسوم ہندوؤں کی ہیں، وہی رسوم مسلمانوں کی ہیں۔ شادی کے موقع پر گیت ہندوؤں کے گھروں میں گائے جاتے ہیں اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی، جہیز مسلمانوں میں بھی لیا دیا جاتا ہے اور ہندوؤں میں بھی لیا دیا جاتا ہے۔ ہندو خاص رسم و رواج کے مطابق منگنی کی تقریب مناتا ہے، مسلمان بھی وہی رسوم پوری کرتا ہے۔ رہا شہروں کا معاملہ۔ شہروں میں ہندو پتلون پہنتا ہے اور مسلمان بھی۔ ہندوستان میں جو تہذیب جنم لے رہی ہے وہ خالص یورپین تہذیب ہے۔

ہندو بھی اس کا دلدادہ ہے اور مسلمان بھی۔

باقی رہا میلوں اور تہواروں میں مسلمان کی شرکت، تو مسلمانوں نے گذشتہ ٢٠ برس سے نہیں بلکہ گذشتہ ہزار برس سے ہندو تہواروں میں خوشی خوشی شرکت کی ہے۔ لیکن جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اب کسی ہندو تہوار میں جانا جان سے ہاتھ دھونا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر جان کو ضائع نہیں کرے گا۔

ہندو مسلمانوں میں سب سے بڑا تہذیبی رشتہ لڑکیوں کا آپس میں رشتہ کرنا ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مسلمانوں نے یہ قدم بھی اُٹھایا۔ کرنل بشیر حسین زیدی۔ نورالدین۔ چھاگلہ۔ ڈاکٹر کچلو۔ نواب رامپور نے اپنی لڑکیوں کی شادی ہندو جوانوں سے کر دی ہے۔ مسلمانوں نے ان شادیوں پر کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔ کوئی جلوس نہیں نکالا۔ مسلم ایکشن کمیٹی نہیں بنائی گئی۔ بقول رام سرن نگینہ سرحاری کے "نہ معلوم اس ملک میں کتنی رشیدہ، وحیدہ اور تسنیم نے اپنا مذہب بدل کر ہندو نوجوانوں سے شادی کر لی ہے۔ یہ ایک دو نہیں سیکڑوں مسلمان لڑکیاں ہیں جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر کے ہندو نوجوانوں سے شادیاں کر لی ہیں۔ لڑکیوں کے ہندوؤں سے رشتے کرنے پر ہندوستان کے ہندو "شرفاء" راضی نہیں ہوئے۔ حالانکہ پہلے زمانہ میں جب کوئی نواب راجہ کو لڑکی دے دیتا تھا۔ یا راجہ نواب کے ہاں رشتہ داری کر لیتا تھا تو قومی اور ملکی منافرت ختم ہو جاتی تھی۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو، نواب رام پور، کرنل زیدی مسلمانوں کے مقتدر لوگ تھے۔ انھوں نے یہ قدم اٹھایا۔ لیکن اس کے باوجود فسادات نہ رک سکے۔ صرف ایک کشمیری لڑکی کے مسلمان ہو کر شادی کرنے پر سارے ہندوستان

میں وہ ہنگامہ ہو رہا ہے۔ جس کا کوئی منطقی جواز لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ "ہندو احیار دین" کے انقلابی کارکن تشدد کے ذریعہ ہر بات منوانا چاہتے ہیں۔ تہذیبی اور تمدنی رابطوں کی جو شرح آپ کریں گے "ہندو احیار دین" کے "اشراف" کو یہ شرح منظور نہیں ہے۔ ہندو مذہب کے عقائد کو "ہندو اشراف" تہذیب اور کلچر اور سنسکرتی کا نام دیتے ہیں۔ مسلمان ہندوستان کے مشترکہ رابطوں میں شریک ہونے کو تیار ہے۔ لیکن ہندو عقائد قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔

ہندوستان کے "ہندو احیار دین" کی تحریک دراصل اسی طرح کی تحریک ہے۔ جس طرح کی تحریک اکتوبر انقلاب کے بعد روس میں کمیونزم کو مقبول بنانے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ روسی ترکستان میں دس کروڑ مسلمان آباد تھے۔ مسلسل ۲۵ سال تک اسٹالن نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو قتل کرنے کی مہم جاری رکھی۔ مسجدوں اور گرجاؤں میں تالے ڈال دیئے گئے۔ بخارا کی جامع مسجد میں لینن کا مجسمہ نصب کر دیا گیا۔ دینیات کے مدرسے بند کر دیئے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے تک دس کروڑ ترکی مسلمانوں میں سے پانچ کروڑ قتل کئے جا چکے تھے۔ کانوں کان دنیا کو ان مسلمانوں کی خبر نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو قتل کرنا کمیونسٹ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ساری دنیا کے لئے مساویانہ بنیادوں پر اقتصادی نظام کا نعرہ لگانے والے، مزدوروں اور کسانوں کے حامی، زرعی انقلاب کے ذریعہ روٹی کا مسئلہ حل کرنے والوں نے دس کروڑ مسلمانوں پر وہ ظلم و ستم ڈھائے جن کے پڑھنے اور سننے سے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلخ۔ بخارا۔ تاشقند اور دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کا کردار یہی رہا کہ وہ خاموشی

سے ظلم و ستم برداشت کرتے رہے۔ آخر کار جنگ عظیم دوم میں جب روس کو مسلمانوں کی ضرورت پڑی۔ تو مسلمانوں کے ساتھ رعایات کا اعلان کیا گیا۔ اور اب تاشقند اور دوسرے روسی علاقوں میں پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمان اسلامی زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کو اگر اس ملک میں رہنا ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ روس کے پرولتاری مظالم برداشت کر کے اگر روس کے مسلمان زندہ رہ سکتے ہیں۔ تو ہندوستان کے مسلمان بھی صبر و برداشت کر کے اسلامی زندگی کا ثبوت دیں۔ مسلمانوں کے سامنے کوئی سیاسی مقصد نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی آج کے مشینی ہتھیاروں کا مقابلہ کر کے مسلمان کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہریا سرائے اور سرہند اور رانچی میں پولیس، ہوم گارڈ، اور فوج نے کرفیو کے اوقات میں مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ تو کیا مسلمان اس تشدد کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ جواب نفی میں ہے۔ ہندوستان میں تو اب کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۲ برس مکہ میں رہنا پڑا۔ مصائب برداشت کئے۔ تو آج کے مسلمانوں کو ۱۲ برس کے مقابلہ میں شاید ایک صدی بھی مصائب برداشت کرنا پڑیں تو صبر و ضبط کا دامن تھامے رہنا چاہیئے۔ "ہندو احیار دین" کی تحریک اس وقت ۹۰ فی صدی ہندوؤں کے دل و دماغ میں موجود ہے۔ جن سنگھ کے علاوہ قریب قریب تمام فلاحی ریاست کے "اشراف" کا عقیدہ بن چکا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے وجود کو گرم و سرد دونوں طریقوں سے ختم کریں۔

جو مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ کمیونسٹ بن جانے سے ان کا بھلا ہوگا۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ اپنے نظریہ اور عقیدے کے اعتبار سے کمیونسٹ، جن سنگھ سے بھی زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں۔ جب راج کمیونسٹوں کے ہاتھ

میں آئے گا۔ تو وہ روزِ اول ہی سے مسلمانوں کے مذہبی نشانات مٹانے کا پروگرام بنائیں گے۔ حال ہی میں جو روسی وفد ترکی گیا تھا۔ اس کی آمد کے موقع پر ترکی طلبا نے یہ اعلان کیا تھا۔ کہ انقلاب اکتوبر سے لیکر آج تک روس میں ۱۰ کروڑ مسلمانوں میں سے پانچ کروڑ مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں۔ اور وہ بھی حکومت روس کے زیر نگرانی تو ایسے ملک سے ترکی کے خیر سگالی کے تعلقات کیسے قائم ہو سکتے ہیں۔

اسلام ایک نظریہ ہے اور مسلمان اس نظریئے کے مظاہر ہیں۔ جو قومیں اور ملک اسلامی نظریات کو مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ مظاہر کو پہلے مٹائیں گے۔ اس لئے اس بارے میں مسلمانوں کو اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیئے کہ فسادات رک جائیں گے یا فسادات کو روک دیا جائے گا۔ بالکل بے بنیاد خیال ہے۔ کیونکہ اکثریت سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہندوستان کی جمہوری پارٹیوں میں مفلوج ہو چکی ہے۔

فسادات کے بعد اس بات پر بڑی "تشویش" کا اظہار کیا جاتا ہے کہ پولیس اور سول ایڈمنسٹریشن نے فسادات پر قابو پانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ پولیس اور افسران فسادیوں کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ جب بقول ہوم منسٹر مسٹر چوان فسادات منصوبہ بند پروگرام کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ تو ظاہر بات ہے۔ کہ اس منصوبہ میں پولیس اور سول آفیسران کا تعاون پہلے ہی سے حاصل کر لیا جاتا ہے۔ جب فسادات کسی مقام پر شروع ہوتے ہیں۔ تو اس شہر اور قریہ کے تمام "اشراف" اور رفاحی ریاست کے تمام "صحت مند افراد" اور افلاطون کا وہ "فرد کامل" جس پر جمہوریت کو ناز و فخر ہوتا ہے۔ وہ "فرد کامل" بھی جب منصوبہ بند فسادات میں شریک ہو جائے۔ تو

ایسے موقع پر پولیس کیا کر سکتی ہے۔ پولیس کے فرائض صرف غنڈوں اور بدمعاشوں سے ریاست کے عوام کی جان و مال کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اور پولیس اس ذمہ داری کو ہر وقت محسوس کرتی ہے۔ سول آفیسران اس بات کی پوری طرح نگرانی کرتے ہیں۔ کہ بستیوں اور محلوں میں انفرادی بدمعاش، غنڈے، قاتل اور ڈاکو لوگوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

لیکن جب ریاست کے "صحت مند افراد" اور کسی ریاست کے "اشراف" جوق در جوق غول در غول ہزاروں کی تعداد میں پورے انقلابی عمل کے ساتھ نکل کر اقلیت کی بستیوں اور محلوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ تو پولیس ایسے موقع پر کیا فرض انجام دے گی۔ جبکہ حملہ آوروں میں دوکاندار۔ ڈاکٹر، صنعت کار، شاعر، ادیب، اسکولوں کے طلبا، استاد، پروفیسر، پرنسپل، سائنس داں، بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد، سماجی کارکن، سیاسی رہنما سب ہی شامل ہوں تو غور کیجئے۔ کیا پولیس ان پر گولی چلاوے گی یا خود ان کا ساتھ دے گی۔ اور اُس "مقدس کام" میں ان کا ہاتھ بٹائے گی۔ جس "مقدس کام" کو پورا کرنے کے لئے شہر اور بستی کے "اشراف" نکل پڑے ہیں۔ افلاطون کی جمہوری ریاست کا "فرد کامل" ایک قومی مشن کو پورا کرنے کے لئے میدانِ عمل میں نکل آیا ہو۔ جس میں اس کی قوم کا مفاد ہو، جس میں اس کی جمہوریہ کی بقا ہو۔ جس میں اس کے ملک کا بھلا ہو تو کیا ایسے حالات میں اور ایسے مواقع پر لا اینڈ آرڈر کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے "اشراف" کی مدد کرے یا ان پر گولی چلائے۔

وزیر اعلیٰ بہار نے فخریہ انداز میں کہا تھا۔ کہ ان فسادات میں پولیس حسبِ ہدایت گولی چلانے سے باز رہی۔

ہندوستان یقیناً فلاحی ریاست کی طرف ترقی کر رہا ہے۔ لیکن اس فلاحی ریاست کا دائرہ عمل ۵۲ کروڑ انسان نہیں ہیں۔ بلکہ ۴۴ کروڑ انسان ہیں۔ اکثریت پر ہندو جمہوریت کا تیز نشہ اور حکمرانی کا گہر خمار طاری ہے آزاد اقوام میں جن قوموں کا عقیدہ شدت کے ساتھ جارحانہ قوم پرستی پر ہوتا ہے۔ ان اقوام کے سامنے پہلے سوال یہ ہوتا ہے کہ ان کے نیشنلزم کی راہ میں جو روڑے حائل ہوں ان کو اولین فرصت میں صاف کر دیا جائے نیشنلزم کی تھیوری میں ہر وہ شخص قابل گردن زدنی ہے۔ جو نیشنلزم کے تصور کو چیلنج کرتا ہے چیلنج کرنے والے غدار ہیں۔ اور غداروں کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہندوستان کے ۹۰ فی صدی "اشراف" کا یہی ایک عقیدہ ہے۔ جب کسی ریاست کے اشراف کا یہ اٹل مسلک یقین ہو جائے تو اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس قسم کی ریاست میں تحریر و تقریر کی آزادی یا جمہوری قانون و آئین میں مذہبی آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ریاست کی اقلیتیں تحریر و تقریر کی آزادی کو اس تشریح کے خلاف استعمال کریں جو تشریح اکثریت کے ۹۰ فی صدی افراد کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے جمہوری آئین میں تمام فرقوں کو اپنی مذہبی اصطلاحوں کو استعمال کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن اب اکثریت کا اصرار ہے کہ ہندوستان کے تمام لوگ نمستے اور نمشکار کہا کریں۔ ہندوستان کے نائب وزیر اعظم شری مرارجی بھائی نے دہرہ دون کے ایک جلسہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اسکولوں کے تمام بچے نمشکار یا نمستے کہا کریں۔ حالانکہ سلام و جواب کے معاملہ میں ہندوستان کے ہر مذہبی فرقہ کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ لیکن اب اقلیتیں اگر نمشکار اور نمستے قبول نہیں کرتیں تو وہ اکثریت کے جذبات

سے انحراف کرتی ہیں۔ ہندوستان میں جمہوری قانون کی رعایت اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ اکثریت کا مطالبہ یہ ہے کہ جمہوریت کی جو تشریح اکثریت کے افراد کر رہے ہوں۔ ہندوستان کی مذہبی اقلیتیں اس تشریح کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں۔ یہی وہ قومی دھارا ہے۔ جس میں بہنے کی اقلیتوں کو تلقین کی جاتی ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا قومی اور ملکی کردار ہے وہ ۲۰ سال میں ایک ایسا بے داغ کردار ہے جس پر ہندوستان کی جمہوری ریاست کو فخر کرنا چاہیئے۔ آج تک ہندوستان میں جتنے جاسوس پکڑے گئے سب ہندو تھے۔ جن لوگوں نے ہندوستان میں لسانی فسادات کرائے وہ سب ہندو تھے۔ جن لوگوں نے کروڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچایا۔ وہ سب ہندو تھے۔ جنہوں نے دفتروں کو جلایا وہ سب ہندو تھے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں مسلمانوں نے عبدالحمید۔ محمد عثمان۔ مقبول احمد اور یزدانی پیدا کئے۔ رفیع احمد قدوائی اور مولانا آزاد پیدا کئے۔ جنہوں نے ملک کی خاطر قربانیاں دیں۔ اور دنیا میں ہندوستان کا نام بلند کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا صنعتی اقتصادی اور تہذیبی کردار بہت بلند رہا ہے۔ ہندوستان کے ۸ کروڑ مسلمان شہری دن رات محنت کرتے ہیں۔ مسلمان کاریگر کا کام کارخانوں میں جا کر دیکھئے۔ کتنا صاف ستھرا کام ہوتا ہے۔ مسلم کاریگر اور کسان دوسروں کے مقابلہ میں پیداوار میں دوگنا اضافہ کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کسی بھی شعبۂ زندگی کا جائزہ لیجئے۔ جہاں مسلمان ملازم کاریگر، پروفیسر۔ ماسٹر۔ صنعت کار۔ تاجر۔ مزدور اور فوجی سپاہی ملیں گے۔ ان میں آپ ایمانداری کا جوہر پائیں گے۔ مسلمان تاجر ٹیکس چور نہیں ہیں۔ صنعت کار لوگوں کو لوٹتے نہیں ہیں۔ مسلم دکاندار

بلیک نہیں کرتے۔ مسلمان فوجی سپاہی میدانِ جنگ میں عبدالحمید بن کر نکلتے ہیں تہذیبی اور سماجی میدان میں یہ کرنل زیدی ہیں۔ نورالدین ہیں۔ نواب رامپور ہیں۔ ڈاکٹر کچلو ہیں جو اپنی بیٹیوں کا رشتہ خود ہندوؤں سے کر چکے ہیں۔ اعلیٰ قومی کردار کے باوجود ۹۰ فی صدی اکثریت مسلمانوں سے راضی نہیں ہے۔

فسادات میں سیاسی پارٹیاں جو پروپگنڈا کر رہی ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔ ملک میں سیاسی ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ جن صوبوں میں اب کانگریسی حکومت نہیں ہے وہاں فسادات نے زیادہ سر اٹھایا ہے۔ یہ متحدہ محاذ کی حکومتوں نے آج تک فسادات کے بارے میں کسی پالیسی کا اعلان نہیں کیا۔ انفرادی طور پر پارٹیوں کے وزیروں نے فسادات کے بارے میں بیانات دیئے ہیں۔ اور ظلم و ستم کی جو داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں الزام ایک پارٹی نے دوسری پارٹی پر لگائے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی جماعت کو فسادات سے بری قرار دینے کی کوشش میں مصروف ہے۔ گویا فسادات کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ فسادات پر جماعتی ریسرچ کی جائے کہ کس جماعت نے حصہ لیا ہے اور کس جماعت کے کارکن اس میں شریک تھے۔

نیشنلزم اور قومی عصبیت اس وقت ہندوستان میں عروج پر ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء سے لیکر سنہ ۱۹۳۹ء تک نیشنلزم اور قومی عصبیت کا جو حال جرمنی میں تھا وہی حال اس وقت ہندوستان میں ہے۔ قومیتِ قاہرہ اپنے عروج پر ہے۔ اور جب کبھی بھی دنیا میں قومی عصبیت اور قومیتِ قاہرہ انسانی اخلاق و اقدار کو روندتی ہوئی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ تو نیشنلزم کے نشہ کی تیزی بقول مولانا ابوالکلام آزاد

"انسان کی سوئی ہوئی وحشت و بہیمیت پھر جاگ اٹھتی ہے۔ انسان جو..... اشرف المخلوقات کی صورت میں آدمی تھا وہ نیشنلزم کی خواہشوں میں بھیڑیا بن جاتا ہے،

یہ محل سراؤں میں متمدن انسان ہے۔ مگر میدانوں میں جنگلی درندہ، اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات ہے۔ لیکن اپنی روح کی وحشت میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور، یہ اب اپنی خونریزیوں میں انتہائی بدشکل اور اپنی مردم خوری کے سبب سے زیادہ بُرے وقت میں آگیا ہے۔ یہ اپنی کتابوں اور علم و تہذیب کے دارالعلوموں میں مہذب انسان ہے۔ لیکن چیتے کی کھال اس کی چمڑی سے زیادہ نرم اور حسین ہے۔ بھیڑیئے کے پنجے اس کی مسکراہٹ سے زیادہ نیک ہیں۔ درندوں کے بھٹوں اور سانپوں کے بلوں میں امن و راحت ملے گی۔ لیکن انسانوں کی بستیاں اور آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہوگئی ہیں۔ شیر خونخوار ہے مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے مگر دوسروں کے لئے، چیتا درندہ ہے اپنی نسل کے لئے نہیں، انسان جو دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق ہے۔ وہ اپنوں کا خون بہاتا رہا۔ اور خود ہی بنی نوع انسان کے لئے درندہ اور خونخوار بن گیا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر خسران اور نقصان کیا ہوگا۔ جس میں آج دنیا مبتلا ہے۔ وہ دنیا جس نے قوموں کو صیقل کیا۔ جس نے فطرت کے قوانین مستورہ کو بے نقاب کیا۔ جس نے عقل و ادراک کے خزانے کھولے۔ جو مدنیت اور تہذیب کے عروج پر پہنچ کر قومی عصبیت کے نشہ میں بدمست ہوکر مغرورانہ جھومنے لگی ہے۔"

(الہلال سنہ ۱۴ء)

یہی نیشنلزم اور قومی عصبیت ہے۔ جس پر مدھوک کو ناز ہے۔ گورد گولوالکر جس کو قوم کا مقصدِ عظیم بتاتے ہیں۔ دین دیال جس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہندو مہاسبھا والے جسے اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ۹۰ فی صدی ہندو اکثریت اسی قسم کے نیشنلزم کو آزادی کی شرطِ اول قرار دے رہی ہیں۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ اسی کے بل پر سانس لے رہے ہیں۔

ہندوستان کی "جمہوریت" فسطائیت کے آہنی دست دبازو کے ساتھ ملک سے مسلمانوں کو ختم کر رہی ہے۔ جس طرح ہٹلر نے اپنے مخالفوں کو اور اسٹالن نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو کمیونزم کے احیاء کی خاطر قتل کیا تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا گاؤں گاؤں سے صفایا کرنے کا پروگرام جاری ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی اخباری رپورٹوں کا انداز بیان بھی دیکھئے۔ کیا ہے۔

پٹنہ ۲۲ ر اکتوبر ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ بہار کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری متحدہ محاذ میں شامل پارٹیاں ایک دوسرے پر لگا رہی ہیں۔ جن سنگھ کے وزیر سارنگی نے سرسنڈ کے فسادات کی ذمہ داری کمیونسٹوں پر ڈالی ہے۔ اور کمیونسٹ وزیر شری چندر شیکھر نے فسادات کی ذمہ داری جن سنگھ اور کانگریس پر ڈالی ہے۔ اور ان جماعتوں کو فسادات کرانے کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے۔ پرجا سوشلسٹ پارٹی کے ایک وزیر نے کہا ہے کہ فسادات کرانے میں جن سنگھ اور کمیونسٹ دونوں کا ہاتھ ہے۔

(صدائے ہند پٹنہ ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۶۷ء)

اب بہار کے فسادات پر اخبار صدائے ہند کا تبصرہ بھی سنیئے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "ہر وہ شخص جس کی سیاسی سوجھ بوجھ میں نیک نیتی کا دخل ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جن سنگھ۔ آر، آر، ایس۔ اور فرقہ پرست ذہنیت رکھنے والے کانگریسیوں نے منظم طور پر سرسنڈ میں فسادات کرائے۔ سرسنڈ یا رانچی کا فساد کوئی پہلا معاملہ نہیں ہے کہ فسادیوں کو پہچاننے میں دقت ہو۔ بہار کی کمیونسٹ پارٹی کی ایک قرارداد میں کہا گیا ہو۔ "بہار کا ہر باشندہ جانتا ہے کہ ایک جن سنگھی وزیر اپنی پارٹی کے

رضاکاروں سے کھل کر یہ بات کہتا ہے کہ فسادات ہی میں آئندہ انتخابات میں جن سنگھ کی کامیابی کا راز ہے اور یہ وزیر بہار کے ہر حصہ میں فسادات منظم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ پولیس اور افسروں سے مل کر مسلمانوں کو ختم کرانے میں جن سنگھ کی مدد کر رہا ہے۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی یہ مطالبہ کرتی ہے۔ کہ جن سنگھی وزیر مسٹر سارنگی کو گرفتار کیا جائے۔ اور اس پر فرقہ وارانہ فسادات کرانے کا مقدمہ چلایا جائے۔

ان مختلف بیانات میں ایک دوسرے پر الزامات ہیں۔ ایک نے دوسرے کو برا بھلا کہا ہے۔ اور یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ فسادات میں پولیس اور افسران شامل ہیں۔ لیکن یہ بیانات کیا فسادات کا فلسفیانہ جائزہ ہے۔ کیا اس میں یہ بات بتائی گئی ہے۔ کہ کسی ایک جگہ فسادات ہوتے ہیں۔ فلاحی ریاست کے "اشراف" اور "فرد کامل" ان فسادات میں کیوں شریک ہو جاتے ہیں۔ کیا پارٹیوں نے اس بات کا پتہ چلایا ہے کہ طلبا، جوش و خروش کے ساتھ فسادات میں کیوں حصہ لیتے ہیں۔ دیہات کے کسانوں کے بارے میں سوچا گیا ہے کہ وہ اس قدر جلد مشتعل ہو کر اپنے ہمسایہ مسلمانوں کے قتل پر کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بات پر بھی غور نہیں کیا گیا۔ فسادات کو مقامی نوعیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ فسادات کہیں پر بھی ہوں یہ مقامی قسم کے جذبات کے تحت نہیں ہوتے اور نہ ہی اکثریت کے "اشراف" پاگلوں کی طرح نکل کر فسادات میں حصہ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اکثریت کا ۹۰ فی صدی حصہ مسلمانوں سے ہندوستان بھر میں ناراض ہے۔ جن سنگھ وہ فسادات کا موقع نکال لیتا ہے۔ تو اس میں پھر سب ہی شریک ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فسادات تجویزوں سے یا اپیلوں سے رک جائیں گے وہ مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔

رانچی کے فسادات کے بعد ہمارے ہوم منسٹر شری وائی بی چوان نے فرقہ وارانہ فسادات روکنے کے لئے سرکلر جاری کیا۔ اور ریاستی وزرائے اعلیٰ کو ہدایت کی وہ فسادات کی روک تھام کریں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا۔ کہ فی الحال فساد کا امکان نہیں ہے۔ اس سرکلر کے بعد ۱۱ جگہ فسادات ہوئے اس طرح ہندوستان کی ۹۰ فی صدی اکثریت نے ہوم منسٹر کے سرکلر کو عملی طور پر ٹھکرا دیا۔ ان فسادات کے بعد پھر اپیلیں کی جانے لگی ہیں۔ آل انڈیا کانگریس کی مجلس عاملہ نے بھی اپیل کی ہے۔ اور ہوم منسٹر مسٹر چوان نے بھی اپیل کی ہے۔ جن سنگھ سے کانگریس کا اتحاد کرانے والے لیڈر مسٹر پاٹل نے بھی تجویز پیش کی ہے کہ ملک میں فسادات کو کانگریس تشویش کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اسی ہمدردانہ زبان میں بہار کی حکومت بیان دے رہی ہے۔ فسادات کے خلاف ٹھوس قدم اٹھانے کا کوئی اعلان نہیں کیا جاتا۔ مسٹر مرارجی بھائی جب بمبئی میں چیف منسٹر تھے ۱۹۴۷ء کے ہنگامی دور میں مہاراشٹر میں کوئی فرقہ وارانہ فساد نہ ہونے دیا۔ اسی زمانہ میں مرارجی بھائی نے دہلی آ کر ذمہ دار حلقوں سے بات چیت کے دوران کہا تھا کہ اگر اختیارات میرے ہاتھ میں ہوتے تو ۱۹۴۷ء کے یہ ہنگامے ایک دن میں روکے جا سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے اگر صوبائی حکومتیں چاہیں تو فسادات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں میں انتہائی کشیدگی کے باوجود آنجہانی پرتاپ سنگھ کیروں نے تصادم و ٹکراؤ پر پورا کنٹرول رکھا۔ ہندو راشٹر بنانے والے اور ہندوستان میں ہندو دھرم کو زندہ کرنے والوں کی خوش قسمتی ہے۔ کہ ان کی کسی بات پر قانونی قدغن نہیں لگائی جاتی۔ صرف ان لوگوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ ایسا کرنا بری بات ہے اس سے ملک بدنام ہوتا ہے۔ ۹۰ فی صدی اکثریت جانتی ہے کہ یہ بیانات سیاسی بیانات ہیں۔ سیاسی پارٹیاں بیان دیا ہی کرتی ہیں۔ اس سے یہ کہاں

لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کا قتل عام نہ کیا جائے۔ فسادات اب جس طرح کئے جا رہے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ چند برسوں میں یہ فسطائی پارٹیاں بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گی۔ ؎

مریض عشق پر رحمت خدا کی ⁂ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کسی بھی فلاحی ریاست اور صحت مند جمہوریت میں جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو فلاحی ریاست کے تمام منصوبے رک جاتے ہیں۔ ملک میں زبوں حالی پیدا ہو جاتی ہے۔ ریاست کے افراد میں بے اعتمادی، شک اور خوف کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ ان فسادات کے بعد ہندو اور مسلمانوں کے سوشل تعلقات اور سماجی رابطوں میں جمود طاری ہو گیا ہے۔ ہر مسلمان اپنے ہندو ہمسایہ کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا ہے۔ ہر مسلم طالب علم ہندو طالب علم کو غیر معتمد خیال کرنے لگا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کے سامنے نئے سوال پیدا ہو گئے ہیں۔ ۲۰ سال میں متحدہ قومیت نے دم توڑ دیا ہے۔ جو ملک کے لئے بہت بڑا المیہ ہے۔ جو لوگ اس بات کے داعی تھے کہ ہندوستان میں ایک ہندوستانی قوم بستی ہے۔ ان لوگوں کو بھرے بازار میں شکست ہو گئی ہے۔ روزانہ کی مارکاٹ، قتل و غارت گری۔ سفاکی۔ بے رحمی اور بربریت نے اکثریت کو ایک قوم اور اقلیت کو دوسری قوم بنا دیا ہے۔ اکثریت کا ہر فرد ہندوستان کا اول درجہ کا شہری تصور کیا جاتا ہے۔ اور اقلیت کا "فرد" نہ دوسرے درجہ کا شہری ہے اور نہ تیسرے درجے کا۔ اکثریت کو جمہوری ریاست میں کیا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے بارے میں گورنر کشمیر مسٹر بھگوان سہائے فرماتے ہیں:

"کشمیر کے دور دراز علاقوں میں اقلیت کو کوئی خوف و خطرہ نہیں ہے۔ اس کا کریڈٹ کشمیر کی مسلم اکثریت کو دیا جاتا ہے۔ جس اکثریت کے روشن خیالات

ہیں۔ اور مثبت سیکولر رویہ کی وجہ سے حالات بگڑنے نہیں پائے۔ گورنر صاحب نے مزید فرمایا کہ اقلیتوں کی حفاظت کی ذمہ داری اکثریت پر ہے۔ یہ اقلیت خواہ کشمیر میں رہتی ہو یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں۔ اگر حکومت کسی اقلیت کے مال و جان کی حفاظت نہیں کر سکتی تو وہ اپنے وجود کے حق سے محروم ہو جاتی ہے۔ کشمیر کی اکثریت نے ایک روشن مثال قائم کر دی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اکثریت کو بھی اس روشن مثال پر عمل کرنا چاہیئے۔"

اکثریت اور اقلیت مل جل کر رہے اور اکثریت اقلیت کی حفاظت کرے۔ یہ ماحول صرف کشمیر میں ہی پایا جاتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ۷۰ فی صدی ہے۔ اور غیر مسلموں کی آبادی ۳۰ فی صدی — گورنر کشمیر کی اس تقریر کو پورے ہندوستان میں بہرے کانوں سے سنا گیا ہے۔ رانچی اور ہٹیا کے مسلمان کاریگروں نے اپنے لئے علیحدہ سرکاری کوارٹروں کی مانگ کی ہے۔ اور اپنی درخواست میں کہا ہے۔ کہ مشترکہ آبادیوں میں رہنا اپنے جان و مال اور عصمت سے ہاتھ دھونا ہے۔ اس لئے حکومت ہند ہمارے لئے علیحدہ کالونی کا انتظام کرے! یہ مطالبہ جمہوری حکومت کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔ متحدہ محاذ کی حکومت کو جس شدت سے فسادات کی روک تھام کرنی چاہیئے تھی وہ روک تھام نہیں کی گئی۔ بقول ایک شاعر کے ؎

آہ جب گلشن کی جمعیت پریشان ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

رانچی اور ہٹیا میں رات کی تاریکی میں مسلمان اپنے گھروں میں سوتے ہوئے قتل کر دیئے گئے۔ لڑکیوں کی عصمت لوٹی گئی۔ ساری رات قتل و

غارت بازار گرم رہا۔ صبح کو اگر ان بستیوں میں حفاظتی دستے آئے تو وہاں کیا رکھا تھا۔ اس پر وزیر اعلیٰ بہار شری مہامایا پرشاد کا یہ بیان ستم ظریفی کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

"حکومت بہار نے ایک گولی چلائے بغیر رانچی میں امن قائم کر دیا۔"

یہ اُس رانچی کے بارے میں بیان دیا جا رہا ہے۔ جہاں ایک ہزار انسان قتل کر دیئے گئے اور عصمتیں لوٹی گئیں، سامان خورد برد کئے گئے۔ گھر جلا دیئے گئے۔ جلے ہوئے ملبے سے دو ہفتے تک انسانی ڈھانچے نکلتے رہے۔ اس پر وزیر اعلیٰ کا یہ بیان کٹے پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔ اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ حکومت بہار، ہندو احیاء پرستی کی تحریک کے سامنے سربسجود ہو چکی ہے۔ ہندو راشٹر بنانے والوں نے حکومت کی پوری انتظامی مشینری کو مرعوب کر دیا ہے۔ "جمہوری اشراق" کے سامنے اب کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں ہے۔

اس وقت ہندوستان کے ہر مسلم گھرانے میں یہ بحث جاری ہے کہ جن برادرانِ وطن کے ساتھ ہم مل جل کر زندگی گذارنا چاہتے تھے۔ دوستی کے روابط قائم کئے ہوئے تھے۔ ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا تھا، ہم ان کی تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔ اور وہ ہماری تقریبات میں آتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ پُرخلوص بھائی چارہ ہے۔ لیکن فسادات کے تسلسل نے اور ان کی نوعیت نے ثابت کر دیا کہ پڑوسی بھی مارِ آستین ثابت ہو سکتا ہے زندگی بہر حال سب کو عزیز ہے۔ عورتوں کی عصمتیں زندگی سے زیادہ عزیز ہیں۔ معصوم بچوں کی جانوں کو انسان زندگی دے کر بچاتا ہے۔ جس ملک میں ۹۰ فی صدی اکثریت نے بچوں کا خون، عورتوں کی عصمتیں، مردوں کا قتل بیماروں اور بوڑھوں کا مارنا حلال کر لیا ہو۔ اس اکثریت کے ساتھ زندگی

ہیں۔ اور مثبت سیکولر رویہ کی وجہ سے حالات بگڑنے نہیں پائے۔ گورنر صاحب نے مزید فرمایا کہ اقلیتوں کی حفاظت کی ذمہ داری اکثریت پر ہے۔ یہ اقلیت خواہ کشمیر میں رہتی ہو یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں۔ اگر حکومت کسی اقلیت کے مال و جان کی حفاظت نہیں کر سکتی تو وہ اپنے وجود کے حق سے محروم ہو جاتی ہے۔ کشمیر کی اکثریت نے ایک روشن مثال قائم کر دی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی اکثریت کو بھی اس روشن مثال پر عمل کرنا چاہیئے۔"

اکثریت اور اقلیت مل جل کر رہے اور اکثریت اقلیت کی حفاظت کرے۔ یہ ماحول صرف کشمیر میں ہی پایا جاتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی ۷۰ فی صدی ہے۔ اور غیر مسلموں کی آبادی ۳۰ فی صدی — گورنر کشمیر کی اس تقریر کو پورے ہندوستان میں بہرے کانوں سے سنا گیا ہے۔ رانچی اور ہٹیا کے مسلمان کاریگروں نے اپنے لئے علیحدہ سرکاری کوارٹروں کی مانگ کی ہے۔ اور اپنی درخواست میں کہا ہے۔ کہ مشترکہ آبادیوں میں رہنا اپنے جان و مال اور عصمت سے ہاتھ دھونا ہے۔ اس لئے حکومتِ ہند ہمارے لئے علیحدہ کالونی کا انتظام کرے! یہ مطالبہ جمہوری حکومت کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔ متحدہ محاذ کی حکومت کو جس شدت سے فسادات کی روک تھام کرنی چاہیئے تھی وہ روک تھام نہیں کی گئی۔ بقول ایک شاعر کے ؎

آہ جب گلشن کی جمعیت پریشان ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

رانچی اور ہٹیا میں رات کی تاریکی میں مسلمان اپنے گھروں میں سوتے ہوئے قتل کر دیئے گئے۔ لڑکیوں کی عصمت لوٹی گئی۔ ساری رات قتل و

غارت بازار گرم رہا۔ صبح کو اگر ان بستیوں میں حفاظتی دستے آئے تو وہاں کیا رکھا تھا۔ اس پر وزیر اعلیٰ بہار شری مہامایا پرشاد کا یہ بیان ستم ظریفی کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

"حکومت بہار نے ایک گولی چلائے بغیر رانچی میں امن قائم کر دیا"

یہ اُس رانچی کے بارے میں بیان دیا جا رہا ہے۔ جہاں ایک ہزار انسان قتل کر دیئے گئے اور عصمتیں لوٹی گئیں، سامان خورد بُرد کئے گئے۔ گھر جلا دیئے گئے۔ جلے ہوئے ملبے سے دو ہفتے تک انسانی ڈھانچے نکلتے رہے۔ اس پر وزیر اعلیٰ کا یہ بیان کٹے پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔ اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ حکومت بہار، ہندو احیاء پرستی کی تحریک کے سامنے سر بسجود ہو چکی ہے۔ ہندو راشٹر بنانے والوں نے حکومت کی پوری انتظامی مشینری کو مرعوب کر دیا ہے۔ "جمہوری اشراق" کے سامنے اب کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں ہے۔

اس وقت ہندوستان کے ہر مسلم گھرانے میں یہ بحث جاری ہے کہ جن برادرانِ وطن کے ساتھ ہم مل جل کر زندگی گذارنا چاہتے تھے۔ دوستی کے روابط قائم کئے ہوئے تھے۔ ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا تھا، ہم ان کی تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔ اور وہ ہماری تقریبات میں آتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ پُر خلوص بھائی چارہ ہے لیکن فسادات کے تسلسل نے اور ان کی نوعیت نے ثابت کر دیا کہ پڑوسی بھی مارِ آستین ثابت ہو سکتا ہے۔ زندگی بہر حال سب کو عزیز ہے۔ عورتوں کی عصمتیں زندگی سے زیادہ عزیز ہیں۔ معصوم بچوں کی جانوں کو انسان زندگی دے کر بچاتا ہے۔ جس ملک میں ۹۰ فی صدی اکثریت نے بچوں کا خون، عورتوں کی عصمتیں، مردوں کا قتل بیماروں اور بوڑھوں کا مارنا حلال کر لیا ہو۔ اس اکثریت کے ساتھ زندگی

کا طویل سفر کیسے جاری رکھا جائے۔

ان مایوس کن حالات میں بھی مسلمانوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندہ قومیں قربانی دے کر ہی زندہ رہتی ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو روس کے مسلمانوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیئے۔ روسی ترکستان کے پانچ کروڑ مسلمان ۳۰ سال میں اسٹالن نے قتل کر دیئے تو کیا ان مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ یا اپنے عقیدہ کو خیر باد کہدیا۔ یا مدرسوں اور مسجدوں کو چھوڑ دیا۔ روسی ترکستان میں مسلمان قتل ہوتے رہے۔ لیکن نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ جمے رہے۔ یہ لوگ قالین کے بہترین کاریگر تھے۔ قالین بناتے اور بھی سینکڑوں چھوٹی موٹی صنعتیں تھیں۔ ان سے اپنی روٹی کماتے رہے۔ لیکن ان مسلمانوں نے نہ تو کسی پر حملہ کیا۔ اور نہ ہی یہ اپنے دین کو چھوڑ گئے۔ ان لوگوں نے تلخ زندگی پورے تیس سال تک گذاری۔ آخر دوسری جنگ عظیم میں ان مسلمانوں کو رعایت دینی پڑی۔ اور آج تاشقند میں عربی دینی مدارس بھی ہیں۔ اذان بھی ہوتی ہے اور یہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

ہندوستان کا مسلمان کاریگر، دوکاندار، صنعت کار، کسان، استاد، ڈاکٹر، پروفیسر، سپاہی، مزدور۔ تمام لوگ ۲۰ سال سے ایمانداری اور دیانتداری سے کام کر رہے ہیں۔ یہی ان کا اعلیٰ کردار ہے۔ جس سے وہ زندہ و پائندہ ہیں۔ ہندوستان میں فسطائی طاقتوں کو ایک دن شکست ہوگی۔ اور ضرور ہوگی۔ اور ان لوگوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔ جو ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کا ہوا تھا۔ جنہوں نے تاریک کمروں میں جا کر خودکشیاں کر لی تھیں۔

بعض معاصرین سوال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کے کیا معنی ہیں۔ معلوم نہیں ان معاصرین نے مسلمانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

آٹھ کروڑ مسلمانوں کا اقتصادی کردار اعلیٰ ہے۔ مسلمانوں کا صنعتی کردار اعلیٰ درجہ کا ہے۔ مسلمانوں کا تہذیبی کردار اعلیٰ درجہ کا ہے۔ مسلمان سپاہیوں کا وطن کی حفاظت میں اعلیٰ کردار ہے۔ انفرادی جرائم میں مسلمانوں کا اشاریہ ایک فی صدی پر آ کر رک گیا ہے۔ ۹۹ فی صدی مسلمان سماجی برائیوں سے پاک ہو گئے ہیں۔ کسی لوٹ مار قتل و غارت گری میں شامل نہیں۔ اس لئے یقین ہے کہ مسلمانوں کو ابھی قربانیاں تو اور دینی پڑیں گی۔ لیکن آخر کار اس ملک کی حفاظت اور ترقی کی ذمہ داری بھی مسلمانوں ہی کو قبول کرنی پڑے گی۔

ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر جناب ملگاؤکر نے بھی ہندو فرقہ پرستی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس خیال کی تائید کی ہے کہ ہندوستان میں ہندو فرقہ پرستی کا احیار روز بروز بڑھ رہا ہے اور جن سنگھ کا زہر سارے ملک میں پھیل رہا ہے۔ ملگاؤکر صاحب فسادات اور فرقہ پرستی کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

جب کبھی بھی فرقہ وارانہ جذبات مشتعل ہو کر بھڑک اٹھتے ہیں۔ کانگریس لیڈر شپ ایک رسمی کارروائی کر دیتی ہے۔ اس رسمی کارروائی میں مدمے کا اظہار۔ منظم فرقہ واریت کی مذمت اور قومی وحدت کے لئے اپیل ہوتی ہے۔

اب جن سنگھ کی تحریک کے فرقہ وارانہ فلسفے اور طریق کار کی پُر زور مذمت کرتے وقت بھی کانگریس نے اپنی پرانی غلطی کا اعادہ کیا ہے۔ ہمیں تشویش جن سنگھ سے نہیں بلکہ اس زہر سے ہونی چاہیئے۔ جو ہمارے "سماج" میں موجود ہے۔ جو زہر جن سنگھ کو مقبول بناتا ہے۔ ان دنوں فرقہ واریت کا جو احیار ہو رہا ہے۔ اس کے کچھ نمایاں اسباب ہیں۔ میں ہندو فرقہ واریت کا اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ مسلم فرقہ واریت میں اب اتنی سکت نہیں رہی ہے کہ وہ جارحانہ صورت اختیار کرے۔

متواتر اقتصادی ناکامیوں نے نوجوانوں کے لئے ترقی کے ذرائع

مسدود کر دیے ہیں۔ بلکہ ترقی کے ذرائع کا فقدان پیدا کر دیا ہے۔ غیر ملکی مدد پر انحصار اور ہندوستان کی بین الاقوامی پوزیشن کے زوال نے قوم کے حوصلے اور اعتماد کو سخت ضعف پہنچایا ہے۔ جیسے جیسے مایوسی بڑھتی جا رہی ہے۔ ویسے ویسے یہ آرزو زور پکڑتی جا رہی ہے۔ کہ ماضی کی مفروضہ عظمتوں میں تسکین کا پہلو تلاش کیا جائے۔ اور ان پرانی اقدار میں خوبیاں تلاش کی جائیں جن کا بیسویں صدی کے مسائل سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

اس طرح مختلف محاذوں پر کانگریس کی ناکامیوں نے بالواسطہ طور پر ہندو فرقہ پرستی کی موجودہ تحریک کو جس کا جن سنگھ ایک اظہار ہے۔ قوم کا دلی ارادہ بنا دیا ہے۔"

ملگاؤکر صاحب نے بڑے ہی صاف لفظوں میں اس فلسفہ کا تجزیہ کیا ہے۔ جس کی بنا پر فسادات ہو رہے ہیں۔ ہندو قوم کا "دلی ارادہ" کہ وہ ملک کو ماضی کی مفروضہ عظمتوں کی طرف لے جائے۔ ماضی کی مفروضہ عظمتوں کی طرف لے جانے کے لئے ضروری ہے کہ ہندو احیار دین کی تحریک کو اکثریت میں مضبوط بنایا جائے اور ہندو احیار دین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں مسلمان ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ بقول ملگاؤکر صاحب زہر سارے "سماج" میں پھیل چکا ہے۔ اس زہر کا تریاق تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف ایسی کارروائیوں سے ہندو سماج میں جو زہر پھیل چکا ہے وہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔

کیا ان حالات میں ملک اقتصادی، معاشی، تہذیبی، تمدنی اور سیاسی طور پر ترقی کرے گا۔ یا روز بروز ملک کی حالت خراب ہوتی چلی جائیگی۔ بین الاقوامی سیاست میں امریکہ اور برطانیہ کو جو دلچسپی ہندوستان سے ہے وہ ایشیا میں کسی ملک سے نہیں ہے۔ ہندوستان چین کے دروازے پر کھڑا ہے۔

اس لئے جغرافیائی طور پر کمیونزم کی روک تھام اس دروازے پر ہو سکتی ہے۔ اس پالیسی کو سامنے رکھتے ہوئے امریکہ اور برطانیہ فوجی اعتبار سے ہندوستان کو مضبوط بنانے کے حق میں ہیں۔ لیکن تجارتی اعتبار سے وہ ہندوستان کو مفلوج بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو مٹا کر کے ہندو احیار دین کی تحریک کمیونزم کے خلاف کامیاب نظریاتی جنگ ہے۔ لیکن اس سے امریکہ اور برطانیہ کو دہرا فائدہ پہونچ رہا ہے۔

ہندو احیار دین کی تحریک ایک طرف ترقی پسند طاقتوں کو کمزور کرتی ہے۔ دوسری طرف دنیا کے تمام اسلامی ملکوں سے اپنے تجارتی رابطے نہ صرف کمزور کر رہی ہے۔ بلکہ توڑ رہی ہے۔ فسادات کی جو رپورٹیں اور اس پر "ہندو احیار دین" کے اخباری تبصرے جب تمام اسلامی ملکوں میں امریکہ اور برطانیہ نشر کرتے ہیں۔ تو امریکہ اور برطانیہ کا تجارتی مقصد پورا ہو جاتا ہے اہم ملکوں کے مسلمان تاجر اور حکومتیں جذباتی طور پر ہندوستان سے تجارتی رابطے اور معاہدے کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتی ہیں۔ کیونکہ ان مسلم حکومتوں کو بھی اپنے عوام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

ایشیا میں جو ملک اسٹرلنگ پونجی کے مالک ہیں۔ انہی ملکوں سے تجارت میں ہندوستان کو فائدہ ہے۔ لیکن مسلم ممالک کی منڈی ہندوستان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ ہندوستان کی اسٹرلنگ پونجی کا یہ عالم ہے کہ آمد و رفت کا کھاتہ برابر ہے۔ اسی کروڑ کی اسٹرلنگ پونجی ہندوستان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ ملکی تجارت پر جمود طاری ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس بات کو شدت سے محسوس نہیں کیا جاتا۔ بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اقتصادی بدحالی اور خوشحالی کا تعلق ستاروں کی گردش سے ہے۔ جب ہندوستان اشٹ گرہ سے نکل جائے گا تو اقتصادی حالات خود بخود صحیح ہو جائیں گے۔ یہ عقائد اور خیالات ہیں۔

لیکن کروڑوں انسانوں کو انہی خیالات پر یقین ہے اور وہ مطمئن ہیں۔ اور ہندو اکثریت، کو اس بارے میں کوئی تشویش نہیں ہے۔

ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی اور آبادی کے بڑھتے ہوئے مطالبات تب ہی پورے کئے جا سکتے ہیں۔ کہ ملک کو اقتصادی اور معاشی طور پر مضبوط بنایا جائے۔ ہندوستان کے گرداگرد اہم اسلامی ممالک ہیں صنعتی اعتبار سے ان ممالک کے پاس کوئی قابل ذکر صنعت نہیں ہے۔ معیار زندگی کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لئے یہ ممالک نقد خریدنے والے گاہک ہیں۔ ان ممالک میں تجارتی مقابلہ ہندوستان کو۔ امریکہ۔ برطانیہ۔ جاپان۔ فرانس۔ چین اور پاکستان سے کرنا ہے۔ لیکن یہ مقابلہ ہندوستان کے تاجر تب ہی کر سکتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں امن و امان کے ساتھ صنعتی ترقی جاری رکھیں۔ اور ہندوستان صنعتی پیداوار کو ان ممالک میں برآمد کرے۔ برآمدی پالیسی کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کو جذباتی طور پر ہندوستان کا دوست اور ہمدرد بنایا جائے۔

ہندوستان کے تجارتی مخالفین کے لئے "ہندو احیار دین" بہت ہی کارآمد تحریک ہے۔ ہندوستان کے فسادات پاکستان کی تجارت کے لئے زرخیزی کا کام دیتے ہیں۔ اس وقت پاکستان کی اقتصادیات مضبوط ہیں۔ اور عالمی بنک نے اعلان کر دیا ہے کہ نقد خریداری کے اصول پر پاکستان جہاں سے چاہے مال خرید سکتا ہے۔ آخر اس اعلان پر بھی ہندوستان کے اقتصادی ماہرین اور سیاست دانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ سعودی عرب کی منڈی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اسرائیل اور عرب جنگ میں ہندوستان کے اخبارات نے مذاق اڑا کر سارے عربی اور افریقی ممالک کو ہندوستانی تاجروں سے بدظن کر دیا ہے۔ اس پر موجودہ فرقہ وارانہ فسادات اور ناراضگی پیدا کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ لیکن

ہر ملک کو اس بات کا تو اختیار ہے کہ وہ جس ملک سے چاہے تجارتی تعلقات قائم رکھے۔ اور جس ملک سے چاہے اپنے تجارتی اور اقتصادی تعلقات ختم کر دے۔

ملکوں کی تعمیر و ترقی اور کسی ریاست کو فلاحی ریاست اور کسی جمہوریہ کو پائیدار اور پُرامن بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کی اقتصادی خوش حالی پر نظر رکھی جائے۔ جس فلاحی ریاست میں اقتصادی اور معاشی خوش حالی قائم رہتی ہے۔ وہی ریاست تہذیبی، تمدنی اور تعلیمی طور پر ترقی کرتی ہے۔ پانچسالہ منصوبوں میں ارب ہا روپیہ لگ چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان کی اقتصادی بدحالی خوش حالی میں تبدیل نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد روز اول ہی سے ملک کو فلاحی ریاست بنانے کی بجائے قومی عصبیت کی بنا پر اکثریت کی تمام طاقتیں ہندوستان میں ہندو احیار دین کی تحریک پر صرف ہو رہی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے تاجر، صنعت کار اور مل مالکوں نے بیرونی تجارت اور بیرونی خریداری کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ حالانکہ آزادی کے بعد ہندوستان کے تاجروں، صنعت کاروں، مل مالکوں اور حکومت کے ارکان کا فرض تھا۔ کہ وہ سستی پیداوار کے مقابلہ میں بیرونی خریداروں کی "نفسیات"۔ جذبات اور نجی ضرورتوں پر نظر رکھتے۔ کسی ایسے پلان کی کامیابی جس پر ارب ہا روپیہ لگ رہا ہو۔ اس بات پر منحصر ہے کہ منصوبہ بند ملک اپنے بیرونی خریداروں کا تعاون حاصل کرے اور بیرونی خریداروں کو اجتماعی اور انفرادی طور پر اپنے ساتھ رکھا جائے۔

ہندوستان کے تاجروں، صنعت کاروں، مل مالکوں اور حکومت کے ارکان نے ان تمام باتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین پلانوں سے ہندوستان کے گلے میں قرض کا پھندا پڑ گیا ہے۔

اس وقت کے تازہ اقتصادی اعداد و شمار یہ ہیں:۔ دنیا میں کویت کے باشندوں کا فی کس آمدنی کا اوسط امریکہ کی فی کس آمدنی سے دو ہزار ڈالر ماہوار زیادہ ہے۔ یہی حال سعودی عرب کا ہے۔ ہندوستان نے جو قرضے یورپین ملکوں سے لئے ہیں۔ گر یہی قرضے کویت، سعودی عرب، قطار، لیبیا۔ اور دوسری تیل کی ریاستوں سے لئے جاتے تو ہندوستان کو بے حد مالی فائدہ پہنچتا۔ اول تو یہ اسلامی ممالک اپنے قرض پر سود نہیں لیتے۔ سعودی عرب اور کویت میں مال کی کھپت خالص اسٹرلنگ پونجی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ لیکن جب ہندوستان میں یہ نعرہ گونج رہا ہو کہ صرف ہندوستان سے ہی نہیں تمام دنیا سے مسلمانوں کو مٹانا ہے۔ تو پھر ہندوستان کا مال کونسی منڈیوں میں جاکر فروخت ہوگا۔ افریقہ اور ایشیا میں ساٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ ہندوستان کی فرقہ وارانہ تحریکوں اور ہندو احیا ردین کی تحریک نے ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام کرکے ساٹھ کروڑ خریدار اپنے ہاتھ سے کھو دیئے۔ صرف یہی مسلمان ملک اور مسلمان خریدار ہیں۔ جو کہ مال کے بدلے مال سے تجارت نہیں کرتے۔ بلکہ مال کے بدلے اسٹرلنگ پونجی دیتے ہیں۔ اس لیے یورپین ممالک اب بشمول روس و چین اور جاپان کے ایشیائی اور افریقی اسلامی ممالک کے خریداروں کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں

اس وقت ہندوستان کی تجارت جن ممالک سے ہے وہ ہمارا مال اگر ایک کروڑ ڈالر کا لیتے ہیں۔ تو اپنا دو کروڑ کا مال ہندوستان میں برآمد کرتے ہیں۔ ہندوستان کی برآمد گھٹ رہی ہے۔ اور دوسرے یورپین ممالک کی برآمد ہندوستان میں برابر بڑھ رہی ہے۔ امریکہ نے جس قدر قرضہ ہندوستان کو دیا ہے۔ اس کا چوگنا سود ہندوستان کو دینا پڑے گا۔ لیکن دوسری طرف سعودیہ عربیہ۔ کویت۔ قطار سے جتنا قرض بینک آف انگلینڈ نے لیا ہے۔

اس کا ایک فی صدی سود بھی بینک آف انگلینڈ کو دینا نہیں پڑتا۔ برطانیہ کی ساری تجارت کویت، قطار اور سعودی عرب کی اسٹرلنگ پونجی پر چل رہی ہے۔ ہندوستان بھی ان ممالک کی اسٹرلنگ پونجی کا کسٹوڈین بن سکتا تھا۔ لیکن ہندوستان پر تو قومی عصبیت اور ہندو دھرم کے احیار کا وہ عفریت سوار ہے۔ جو ہندوستان کو گزشتہ ایک ہزار برس پہلے کے فلسفہ اور طرز حکومت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

بیسوی صدی کے تقاضے اور سائنس کی ترقی، دنیا میں اقتصادی تعاون اور معاشی میل جول پیداوار اور فروخت ان تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر ہندو اکثریت "ہندو جمہوریہ" بنانے کی فکر میں ہے۔ اور بقول ملگاؤکر ایڈیٹر "ہندوستان ٹائمز" اکثریت اپنی مفروضہ تاریخ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ گذشتہ ایک ہزار برس کی سنسکرتی اور تہذیب اور ہندو عقائد کی طرف لوٹتی ہوئی ہندو اکثریت اپنے ہاتھوں سے ملک کی دولت اور عظمت کو برباد کر رہی ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں یورپین ممالک کہ ہندوستان خود بخود دوسرے ممالک سے صدیوں کی دوری پر ہوتا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں ۸ کروڑ مسلمان تو ہندوستان کا محفوظ تجارتی سرمایہ تھا۔ اگر اکثریت اس محفوظ سرمایہ سے کام لیتی۔ اِن کی دل جوئی کرتی تو آج ہندوستان اقتصادی طور پر دنیا میں ۹۹ دیں درجہ میں نہ ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس ہندوستان کی اقتصادی ساکھ ساری دنیا میں ہوتی۔ یہ بات اکثریت کی سمجھ میں نہیں آتی اور جن لوگوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اس وقت تو ہندو اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہ ہر حال میں مسلمانوں کے مٹانے پر تُل گئی ہے۔

جناب بھارت بھوشن سہائے قصبہ جھاجھا ضلع مونگیر نے اپنے ایک بیان میں تحریر کیا ہے۔ کہ:۔

"بیچارہ مسلمان ہندوستان کی آزادی کے بعد ہر لحاظ سے مجبور اور بے بس ہوگیا ہے مسلمان کیا کرسکتا ہے۔ اب اگر اپنا ڈیفنس کرنا بھی گناہ ہے تو مسلمان ضرور مجرم ہیں۔ اب ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ صاف مسلمانوں سے کہہ دیں کہ تم کو بچاؤ کا کوئی حق نہیں ہے۔ چپ چاپ اپنی گردن، اپنی عزت، اپنی آبرو اور مال و دولت دے دو۔ ورنہ تم کو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ اور سخت سزا دی جائے گی۔ میں ایک ہندو ضرور ہوں۔ لیکن صحیح بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چوں کہ دیکھ رہا ہوں کہ دھیرے دھیرے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جانے کا میرا پکا وشواش ہے۔ اس بے انصافی کی سزا ہمارے ہندو بھائیوں کو بھی ضرور مل کے رہے گی۔ اس لئے بڑے دکھ کے ساتھ یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔"

(بھارت بھوشن سہائے قصبہ جھاجھا ضلع مونگیر)

مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۶۷ء

بہ حالات ہیں ان حالات میں دکھ اس بات کا ہے۔ کہ ملک کی ترقی رک گئی ہے اقتصادی بد حالی نے ہندوستان میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ شب و روز کی زندگی میں بدامنی نے سر اٹھایا۔ سارے ملک میں انارکی پھیلی ہوئی ہے جب لوگ مسلمانوں کو مارتے مارتے تھک جاتے ہیں تو خود اپنوں کو مارنے لگ جاتے ہیں۔ کروڑوں روپے کی قومی جائدادوں کو آگ لگا رہے ہیں۔ لسانی مسائل پر دست و گریباں ہیں۔ اقتدار کی خاطر جمہوری شعور پر موت طاری ہے۔ ہندوستان کی جمہوریت صحت مند فلاحی ریاست کے پروگرام کو چھوڑ کر فرقہ پرستی، ہندوا چیاردین کی خونی تاریخ بنانے میں مصروف ہیں۔